پروفیسر محمد صدیق

مولوی حاکم علی

(تیسری اور آخری قسط)

علامہ اقبال اور مولوی حاکم علی

۱۹۰۰ء میں علامہ اقبال، مولوی محمد باقر، مولانا محمد حسین آزاد، مفتی محمد عبداللہ ٹونکی اور مولوی حاکم علی بی۔ اے اندرون بھاٹی گیٹ میں رہائش پذیر تھے۔ علامہ اقبال نے اندرون بھاٹی دروازہ کے زمانۂ قیام میں مختلف اوقات میں تین مختلف گھروں میں سکونت اختیار کی۔ جن دنوں وہ میاں احمد بخش کے مکان میں مقیم تھے، ان دنوں مولوی حاکم علی لالہ سرنداس کے مکان نمبر بی۔ ۵۹۷ میں رہائش رکھتے تھے۔[1] جب مولوی حاکم علی نے اس مکان کو خالی کیا اور موتی بازار میں چلے گئے تو علامہ اقبال وہاں آگئے اور یورپ کو روانگی تک اسی گھر میں رہے۔ اس دور میں بازار حکیماں اور اندرون بھاٹی دروازہ میں علما اور فضلا کی ایک کثیر جماعت مقیم تھی اور علم و ادب کی مجلسیں گرم رہتی تھیں۔ اسی لیے حکیم احمد شجاع پاشا نے بھاٹی دروازہ کو لاہور کا چلیسی[2] کہا ہے۔ علامہ اقبال اس دور میں انجمن حمایت اسلام کی انتظامیہ کے رکن اور اسلامیہ کالج کے انسپکٹر (۲۸ مارچ ۱۹۰۰ سے ۲۲ جولائی ۱۹۰۰) تھے۔ پرنسپل کو ضروری اور اہم مالی و انتظامی امور کے فیصلوں پر کالج انسپکٹر کی منظوری حاصل کرنا ہوتی تھی، جیسا کہ پنجاب یونیورسٹی کیلنڈر میں درج ہے: "اس کالج میں پرنسپل انجمن حمایت اسلام کی ایجوکیشن اور مینجنگ کمیٹی کی ہدایات کی راہنمائی میں کام سرانجام دیتا ہے اور خاص کر کالج سپرنٹنڈنٹ اور کالج انسپکٹر کی راہنمائی میں۔"[3]

مولوی حاکم علی اس زمانے میں کالج کے پرنسپل تھے۔ اس لیے علامہ اقبال سے ان کے براہِ راست تعلقات تھے۔ وہ کالج کے ضروری کاغذات ان سے منظوری حاصل کرنے کے لیے اپنے ذاتی ملازم علی بخش کے ہاتھ علامہ اقبال کی خدمت میں ارسال کیا کرتے تھے۔ انہی ملاقاتوں میں علامہ اقبال علی بخش کی شرافت اور فرض شناسی سے متاثر ہوئے

---

[1] اقبال کی صحبت میں۔ عبداللہ چغتائی، ص ۳۹ [2] نقوش جنوری ۶۲ نمبر ۱۰۲

[3] Punjab University Calendar 1896-97 P. 566

مولوی صاحب کے باقاعدہ مشورے اور اجازت سے علی بخش کو اپنے ہاں ملازمت رکھا۔

مولوی صاحب کی پرنسپلی کے زمانے میں علامہ اقبال نے تحریری طور پر تجویز پیش کی کہ کالج لائبریری کے لیے تفسیر کبیر کا ایک سیٹ خرید جائے۔ چنانچہ ۳ جون ۱۹۰۰ کو مولوی صاحب کی سفارش پر یہ تجویز انجمن کی جنرل کونسل میں پیش ہو کر منظور ہوئی اور کتاب خانے کے لیے مذکورہ کتاب خرید لی گئی۔[54]

مولوی صاحب اور حضرت علامہ ایک زمانے تک انجمن کی جنرل کونسل کے ممبر رہے۔ کالج اور انجمن کی تعلیمی مساعی کی پیش رفت میں دونوں اہم اور مثبت اقدامات کرتے اور مشورے دیتے رہے۔ مولوی صاحب ایک صاحبِ علم بزرگ تھے اور علامہ اقبال اصحابِ علم کو قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔

۱۹۰۱ء میں مولوی صاحب پرنسپل تھے۔ بی اے کی جماعتیں کالج میں شروع ہو چکی تھیں۔ اساتذہ کی شدید کمی تھی اور اس قلت کو پورا کرنے کے لیے سر عبدالقادر روزانہ دو گھنٹے ان کلاسز کو انگریزی ادبیات کا درس دیتے۔ شیخ عبدالقادر اس زمانے میں آبزرور (Observer) کی ادارت بھی کرتے تھے۔ چنانچہ اپنی مصروفیات کی بنا پر انھوں نے یکم جنوری ۱۹۰۱ سے رخصت لی تو ان کی جگہ علامہ اقبال ۱۹۰۱ سے ۳۰ جون ۱۹۰۱ء تک لڑکوں کو انگریزی ادب کا درس دینے لگے۔[55] یکم نومبر ۱۹۱۸ء میں کالج کے شعبۂ فلسفہ کے پروفیسر ہیگ (Dr. W. Vesey Hage) جو ۱۹۱۶ء میں ایڈنبرا سے ہندوستان آئے اور کالج میں فلسفے کے استاد مقرر ہوئے، اچانک انتقال کر گئے تو ان کی جگہ دو ماہ کے لیے علامہ اقبال طلبا کو فلسفہ پڑھاتے رہے۔[56] یعنی دو موقعوں پر مولوی صاحب کو علامہ اقبال کے رفیقِ کار ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ کیوں کہ ۱۹۰۱ء میں مولوی صاحب کالج کے پرنسپل اور ۱۹۱۸ء میں وائس پرنسپل تھے۔

یہ حالات اور واقعات اس امر کا واضح ثبوت ہیں کہ علامہ اقبال اور مولوی حاکم علی کے تعلقات یقیناً خوش گوار ہوں گے، مگر ان تمام ملاقاتوں اور صحبتوں کی تفصیلات پردۂ خفا میں ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں علامہ اقبال انجمن حمایت کے جنرل سیکرٹری اور نواب ذوالفقار علی خاں صدر تھے۔ اس دور میں ہنری مارٹن اسلامیہ کالج کے پرنسپل اور

---

[54] رجسٹر روداد ہائے اجلاس مینیجنگ کمیٹی انجمن حمایت اسلام ۲۴ جون ۱۹۰۰ — ۱۷ مئی ۱۹۰۳

[55] حیاتِ علامہ اقبال، نقوش اقبال نمبر ۱۲۱ (ستمبر ۱۹۷۷) ص ۱۱

[56] اقبال نامہ جلد ۲ خط بنام اکبر الٰہ آبادی، ص ۷۳

مولوی حاکم علی وائس پرنسپل تھے۔ یہ دور برصغیر کے مسلمانوں کی تاریخ کا نہایت نازک اور حساس دور تھا۔

تحریک ترکِ موالات

برصغیر میں تحریک خلافت اور تحریک ہجرت کے دوران ۱۹۲۰ء میں جب تحریک ترکِ موالات نے زور پکڑا تو یہ دور اسلامیہ کالج کی تاریخ کا نہایت نازک اور آزمائش کا دور تھا، کیوں کہ اس تحریک کے پروگرام میں نہ صرف انگریزی عدالتوں، کونسلوں اور انگریزی ملازمتوں سے علیحدگی بلکہ یونیورسٹی سے ملحق تعلیمی درس گاہوں سے بھی مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا۔ سرکاری خطابات کی واپسی اور سرکاری امداد قبول نہ کرنا بھی اس کی ایک شق تھی۔ چنانچہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو لاہور میں بہ صدارت مولانا عبدالقادر قصوری صدر خلافت کمیٹی پنجاب ایک بہت بڑا جلسہ ہوا، جس میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی، گاندھی جی، سوامی ست دیو، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، آغا صفدر، پنڈت رام بھجدت، لالہ دونی چند، شریمتی سرلا دیوی، مولانا سید داؤد غزنوی، ڈاکٹر محمد عالم، ملک لال خان اور مولوی غلام محی الدین قصوری نے شرکت کی اور تقریریں کیں۔ انھوں نے اپنی تقریروں میں اس بات پر زور دیا کہ تمام طلبا کو اسلامیہ کالج سے تعلق توڑ لینا چاہیے، پھر کالج کو یونیورسٹی سے الحاق توڑ کر گورنمنٹ کی تیس ہزار روپے کی سالانہ گرانٹ سے دست کش ہو جانا چاہیے۔ ان حضرات کی تقریروں کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

سوامی ست دیو ایم اے نے اپنی طویل تقریر کو ان الفاظ پر ختم کیا: "پنجاب کے لوگو! میں تم سے ہاتھ جوڑ کر کہتا ہوں کہ ترکِ موالات کا کام پنجاب سے شروع کرو"[۲۴]

مولانا محمد علی جوہر کی تقریر کے آخری الفاظ یہ تھے: "ہم بیرسٹروں، وکیلوں، کونسل کے ممبروں، کالج کے ٹرسٹیوں کو کہتے ہیں کہ وہ تمام اپنی اپنی مصروفیتیں چھوڑ دیں، موکلین وکیلوں کو چھوڑ دیں، رائے دہندگان کونسلوں کے امیدواروں کو چھوڑ دیں، طلبا کالج و سکول چھوڑ دیں"[۲۵]

مولانا ابوالکلام آزاد نے جلسہ عام کو خطاب کرتے ہوئے کہا:

"میں بحیثیت ایک مسلمان ہونے کے جسے خدا کے فضل سے شریعتِ اسلامی کی کچھ بصیرت دی گئی ہے،

---

[۲۴] زمیندار ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۳، کالم ۱ [۲۵] ایضاً، ص ۲، کالم ۲

کہتا ہوں کہ ہر ایک مسلمان پر حبِ وطن کے لحاظ سے، مذہب کے اعتبار سے، اخلاق کے لحاظ سے فرض ہے کہ ترکِ موالات کرے۔[۹]

گاندھی جی نے اپنی تقریر کو ختم کرتے ہوئے کہا:

"آپ میں سے بہت سے آدمی ہوں گے جن کے کالجوں اور مدرسوں میں لڑکے پڑھتے ہیں۔ مولانا (آزاد) نے کہا ہے کہ ان کی تعلیم حرام ہے۔ اگر آپ چاہیں تو صبح ہی سے لڑکوں کو مدرسوں میں نہ بھیجیں۔"[۱۰]

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک طویل تقریر کا اختتام ان الفاظ پر کیا:

"اسلامیہ کالج کے طلبا سے میری یہ التجا ہے کہ اس وقت پنجاب کی عزت ان کے ہاتھ میں ہے۔ انھیں چاہیے کہ اپنی زندگی کا ثبوت دیں۔ اپنے حکامِ کالج سے کہہ دیں کہ یا تو اس کالج کو عدمِ تعاون کے ماتحت یونیورسٹی سے الگ کر لیجیے اور سرکاری امداد بند کر دیجیے یا ہم کالج چھوڑے دیتے ہیں۔ کالج کو سرکاری نہیں قومی بناؤ۔"[۱۱]

پنڈت رام بھجدت نے بھی اس جلسے کو خطاب کیا اور کہا:

"اسلامیہ کالج والو، اگر آج تمھارے کوئی راہنما تمھارے سرگروہ ہو کر تلوار چلاتے اور جہاد کرتے تو کیا تم مسٹر ہنری مارٹن پرنسپل کے پاس سبق لینے جاتے؟"[۱۲]

ان کے علاوہ مولوی غلام محی الدین قصوری، مولانا شوکت علی، مولانا عبد القادر قصوری، بھائی سنت سنگھ اور سردار جسونت سنگھ نے بھی حاضرینِ جلسہ کو خطاب کیا اور اسلامیہ کالج پر زور دیا کہ وہ تحریکِ ترکِ موالات کی حمایت کرے۔

اسلامیہ کالج کے طلبا نے اس تحریک میں بھرپور حصہ لیا اور مطالبہ کیا کہ یونیورسٹی سے کالج کا الحاق ختم کر دیا جائے اور گورنمنٹ سے ملنے والی سالانہ تیس ہزار روپے کی گرانٹ بند کر دی جائے۔ ہنگامے ہوئے اور کالج بند کر دیا گیا۔ اس زمانے میں نواب ذو الفقار علی خان انجمن حمایتِ اسلام کے صدر اور علامہ اقبال جنرل سیکرٹری تھے۔ کالج کے پرنسپل ہنری مارٹن نے سول اینڈ ملٹری گزٹ کی اشاعت مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء میں ایک مراسلہ شائع کروایا اور اس میں کہا کہ "طلبا سیاسی شورش پسند عناصر کے زیرِ اثر اس ہنگامے اور ہیجان میں حصہ لے رہے ہیں۔ اگر شورش پسند

---

[۹] زمیندار ۲۱ اکتوبر ۱۹۲۰ء ص ۳ کالم ۲

[۱۰] ایضاً ص ۳ کالم ۱

[۱۱] ایضاً ص ۳ کالم ۳

[۱۲] ایضاً، ص ۴، کالم ۱

ایسا نہ کریں تو ہمارا کالج ان ہنگاموں سے محفوظ رہے[31] پرنسپل کے اس بیان کے ساتھ ہی مولوی حاکم علی نے فتویٰ دیا کہ "میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے"

فتوے کی نقل ملاحظہ ہو:

ترک موالات : فتویٰ جوازِ الحاقِ اسلامیہ کالج بہ یونیورسٹی و حصولِ امداد از سرکار!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ وقل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۔ احقر العباد حاکم علی بی ۔ اے حنفی نقشبندی مجددی پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور ۔ جمیع برادران اہل اسلام ہند خصوصاً اہل اسلام پنجاب و خصوصاً معزز ممبران جنرل کونسل انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی آگاہی کے لیے حسب ذیل التجا کرتا ہے

حدیثِ نبوی میں وارد ہے علی مصدرھا الف الفِ صلوٰۃ و سلام و تحیۃ اذا ظھرت الفتن فلیظھر العالم علمہ ومن لم یفعل ذالک فعلیہ لعنۃ اللہ والملائکۃ و الناس اجمعین لا یقبل منہ صرفاً و عدلاً ۔

لہٰذا جو علم مجھے دیا گیا ہے اس کو ظاہر کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کافروں کے ساتھ اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولی کرنے سے منع فرمایا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں پ۳ ع۱۱ آیہ۲۸ میں، پ۵ ع۱۴ آیہ۱۴۴ میں، پ۶ ع۱۲ آیہ۵۱ میں، پ۶ ع۱۳ آیہ۱ میں، پ۲۸ ع۷ آیہ۱ میں، پ۱۰ ع۹ آیہ۷۱ میں، پ۲۸ ع۶ آیہ۱۳ میں وارد ہے، مگر علامہ ابوالکلا[م] زبردستی فرماتے ہیں اور اپنی فصاحت و بلاغت کے زور سے تولی کے معنی موالات کو معاملات قرار دیتے ہیں اور ترکِ موالات کو ترکِ معاملت " نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں اور یہ صریح زبردستی ہے اور جبر ہے جو اللہ تعا[لیٰ] کے کلامِ پاک کے ساتھ کیا جا رہا ہے ۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ امتِ محمدیؐ کے جو ۷۲ فرقے نا[جی نہیں] ہوئے، صرف قرآنِ مجید کے معنی نہ سمجھنے سے ہوئے یعنی اس کے معنی اپنی مرضی اور خواہش کے مطابق خلافِ نص کرنے سے ہی گمراہ ہوئے ۔

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صحابہ نے فرمایا ہے اور وہ جہاں تک مجھے یاد ہے یہ ہے کہ جس کسی نے قرآنِ مجید کی تفسیر اپنی عقل سے کی، اگر وہ تفسیر صحیح بھی کر لی تو بھی خطا کی اور اگر صحیح نہ کی تو . . . .

علامہ مذکور نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل مذکورہ بالا کے منتخب ممبروں کی کمیٹی میں تشریف لا کر تولی ...

---

[31] زمیندار ۱۲ نومبر ۱۹۲۰ ص ۲ کالم ۱

معنی معاملت ان ممبوں پر زبردستی تھوپ دیے اور اطلاق یہ کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات یعنی ترک تولی نہیں ہو سکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو۔ لہٰذا اس طرح کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان شروع ہو گیا۔

علامہ مذکور کا یہ فتویٰ غلط ہے۔ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق قائم رہنے سے اور امداد سرکاری لینے سے معاملت قائم رہتی ہے انگریزوں کے ساتھ نہ کہ تولی اور مودت اور موالات جن کے معنی محبت کے ہیں نہ کہ کام کے جو کہ معاملت کے معنی ہیں باب مفاعلہ سے بنا عمل سے۔

کل میں نے وعظ کی مجلس اسلامیہ کالج ہال میں یہ امر طلبا کو واضح کر دیا۔ بہت سے طلبا سمجھ گئے۔ مگر مولوی عبدالحی کے کارکنان مسمیان عبدالسلام پال وغیرہ طالبان علم اس سمجھ جانے کو کب گوارا کرتے تھے، میرے وعظ ختم ہونے کے بعد دھواں دھار تقریریں کر دیں، مگر الحمد اللہ جو سمجھ گئے، سمجھ گئے اور انھوں نے باہر آ کر اپنی علیحدہ مجلس قائم کر لی اور آپس میں معاملہ ہذا کو سمجھتے سمجھاتے رہے۔

پروفیسر مظفر الدین صاحب جو انہی کے ہم خیال ہیں سٹاف اردم میں میری اس کاروائی پر استہزا سے کام لیتے رہے۔ علامہ مذکور کی اس زبردستی سے اور غلط فتویٰ سے اسلامیہ کالج لاہور، اعلیٰ گرمڈ کالج، اسلامیہ ہائی سکول ہائے لاہور تباہ ہو رہے ہیں۔

علامہ مذکور، مولوی محمود حسن صاحب، مولوی عبدالحی صاحب اور ان کے کارکنان خاص تو دیوبندی خیالات کے ہیں اور ایک بات پر تلے ہوئے ہیں۔ لہٰذا زبردستی فتویٰ اپنے مدعا کے مطابق دیتے ہیں اور یہ فتویٰ غلط دیا ہے۔ لہٰذا جتنا علم مجھے دیا گیا ہے میں اس کی بنا پر فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے۔ آپ میرے اس نسخے کی تصحیح ان اصحاب سے کرائیں جو دیوبندی خیال کے اور ان کے ہم خیال نہیں ہیں۔ مثلاً موید ملت طاہرہ حضرت مولانا مولوی شاہ احمد رضا خان صاحب قادری بریلی علاقہ روہیل کھنڈ اور مولوی اشرف علی صاحب تھانوی ممالک مغربی و شمالی سے کرائیں اور صحیح فتویٰ پر عمل کریں نہ غلط پر۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔ خادم قوم حاکم علی[42]

---

[42] روزنامہ پیسہ اخبار ۲ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳ کالم ۱-۲

کالج کے ارباب حل وعقد بھی صرف اس خیال سے کہ مسلمان طلبا کا تعلیمی زیاں نہ ہو کیوں کہ اسلامیان پنجاب ہندوؤں کے مقابلے میں تعلیمی لحاظ سے بہت پس ماندہ تھے، نہ صرف یونیورسٹی سے الحاق کے خواہاں تھے بلکہ سرکاری امداد بھی وصول کرنا چاہتے تھے۔ کالج دس روز کے لیے بند تھا، اور اس نازک مسئلے کا حل تلاش کرنے کے لیے انجمن کی جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے مسلسل اجلاس ہو رہے تھے۔

کالج کمیٹی نے فیصلہ کیا کہ طلبائے اسلامیہ کالج کے والدین کو خطوط ارسال کرکے ان سے کالج کے الحاق سے متعلق رائے اور مشورہ طلب کیا جائے کہ کالج کا پنجاب یونیورسٹی سے الحاق ہونا چاہیے یا نہیں۔ چنانچہ میاں فضل حسین سیکرٹری کالج کمیٹی نے ۴۴۴ خطوط والدین طلبا کو ارسال کیے۔ ان میں سے ۳۴۷ کا جواب وصول ہوا، ان میں سے ۳۳۶ خطوط الحاق کے حق میں تھے اور ۱۱ خطوط مخالف تھے [۱۵]

چنانچہ انجمن کی جنرل کونسل نے کالج کا الحاق یونیورسٹی سے قائم رکھنے اور سرکاری امداد کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا اور اس کے ساتھ ہی پرنسپل نے کالج کھول دیا اور تحریک کے سرگرم رکن طلبا کو کالج کمیٹی کی منظوری سے خارج کرکے سرٹیفکیٹ جاری کر دیے۔ اس واقعے سے طلبا میں غم و غصے کی لہر دوڑ گئی اور کالج میں سٹرائیک ہو گئی اور طلبا نے فیصلہ کیا کہ جب تک ہنری مارٹن پرنسپل ہیں، طلبا کالج میں نہیں جائیں گے [۱۶] اور طلبا نے پرنسپل صاحب کے کمرے میں گھس کر ان سے نازیبا سلوک بھی کیا۔

مسلمانان لاہور میں اس واقعہ سے شدید ردعمل ہوا۔ جلسے منعقد ہوئے، مظاہرے ہوئے اور جلوس نکالے گئے۔ ایک وفد انجمن حمایت اسلام کے سیکرٹری جنرل یعنی علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا کہ پرنسپل کی معطلی اور ان کے غیر ذمہ دارانہ بیان کے متعلق معلومات حاصل کرے۔ انھوں نے فرمایا "یہ اندرونی معاملہ ہے اس میں مداخلت نہیں کرنی چاہیے۔ ہاں ذاتی طور پر میں پرنسپل کی اس حرکت کو سخت ناواجب خیال کرتا ہوں" [۱۷]

اس تحریک میں مسلمان دو گروہوں میں تقسیم ہو چکے تھے۔ ایک گروہ ترک موالات کا حامی تھا اور دوسرا مخالف۔ انجمن میں بھی ارکان انجمن اسی طرح منقسم تھے۔ میاں سر فضل حسین سیکرٹری کالج کمیٹی اور شیخ عبدالقادر مسلمانوں کے تعلیمی نقصان کے پیش نظر ترک موالات کے مخالف تھے۔ مگر ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی اور

---

۱۵ قلمی روداد جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام ۱۵ اپریل ۱۹۱۴ — ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

۱۶ پیسہ اخبار ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ ص ۳ کالم ۲ ۱۷ ایضاً ص ۵ کالم ۴

مولانا ابوالکلام آزاد ترکِ موالات کے حق میں تھے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء بروز اتوار بوقت ۸ بجے صبح، نواب ذوالفقار علی خاں کی زیرِ صدارت اسلامیہ کالج میں انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ جنرل کونسل کے اکیاون [۵۱] ممبران کے علاوہ تقریباً تین سو معززینِ شہر نے بھی اس میں شرکت کی کیوں کہ اس دن کالج، مولوی حاکم علی اور مسٹر ہیملٹن کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا۔

علامہ اقبال، جنرل سیکرٹری انجمن نے گزشتہ اجلاس کی رپورٹ پڑھتے ہوئے بیان کیا۔

"ہم نے مسلم علمائے کرام سے اس سلسلے میں رجوع کیا۔ ہمارے پاس متعدد فتوے آتے ہیں۔ پہلا فتویٰ مولوی محمود حسن صاحب کا ہے۔ دوسرا علمائے سندھ کا ہے۔ تیسرا علمائے دہلی کا ہے۔ چوتھا سجادہ نشین صاحب پھلواری کا ممبری کونسل کے متعلق ہے۔ فرنگی محل اور کان پور کے فتوے مجھ تک نہیں پہنچے۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کو عریضہ لکھا گیا تھا مگر کوئی جواب ہی نہیں آیا۔ مولوی حاکم علی صاحب اور مولوی اصغر علی صاحب کے فتوے "زمیندار" میں شائع ہوئے ہیں۔ اشرف علی صاحب تھانوی کی خانقاہ کا فتویٰ علی گڑھ کالج کے اخبار میں شائع ہوا ہے۔ میں نے ان فتووں کو غور سے پڑھا ہے۔ اگر ان پر بحث ہوئی تو میں بھی اپنے خیالات کا اظہار کروں گا۔"[۱۸]

اس معاملے پر بہت بحث ہوئی اور بہت زیادہ غور و خوض کیا گیا۔ اس بحث کے دوران علامہ اقبال نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"میں ہمیشہ ہر معاملے کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں، اور جب تک کسی امر پر پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی۔"[۱۹]

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے اسلامیہ کالج کے حبیبہ ہال پر اپنے حامی طلبا کے ساتھ قبضہ کر رکھا تھا، ان کا مطالبہ تھا کہ ترکِ موالات کی شرائط پر عمل ہوگا تو کالج کھلے گا ورنہ نہیں۔ ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ اس میں جنرل کونسل کے بیس ممبران شامل ہوئے۔ ان کے علاوہ مولانا ابوالکلام آزاد

---

[۱۸] قلمی روداد اجلاس ہائے جنرل کونسل انجمن حمایتِ اسلام ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

[۱۹] زمیندار ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ ص ۳ کالم ۱ (انجمن حمایت اسلام لاہور جنرل کونسل کا اجلاس حلقہ بگوشانِ اسلام علامہ اقبال اور حاجی شمس الدین

مولانا محمد علی جوہر، مولانا شوکت علی بھی موجود تھے۔ مولانا آزاد نے ترکِ موالات کے حق میں تقریر کرتے ہوئے بیان کیا۔ "وہ جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں، ان سے ترکِ موالات کیا جائے"۔ شیخ عبد القادر نے اپنی تقریر میں ترکِ موالات سے مسلمانوں کے تعلیمی زیاں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: "ترکِ موالات نہیں ہونا چاہیے"۔ میاں سر فضل حسین نے اپنے خیالات مندرجہ ذیل اختتامی فقرے میں سمو دیے ہے "اسلامیہ کالج اور سکولز کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے قائم رکھا جائے"۔[۵۲] انھوں نے ایک اخباری بیان میں ترکِ موالات کے حامی علما اور فضلا سے اپیل کی کہ "آپ اسلامیہ کالج کے توڑنے کے درپے نہ ہوں بلکہ ایک اور قومی کالج کھول لیں جس کی ہم روپے اور عمارت سے ہر طرح امداد کے لیے تیار ہیں۔ اگر آپ کا کالج کامیاب ہو گیا تو ہم اپریل (۱۹۲۱ء) سے پہلے اسلامیہ کالج بند کر دیں گے"۔ مگر عدمِ تعاون کے حامی راہنماؤں نے اس تجویز سے اتفاق نہ کیا۔ علامہ اقبال نے انجمن حمایتِ اسلام کی جنرل کونسل کو وصول شدہ اور اردو اخبارات میں مطبوعہ فتووں کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیلات بیان کیں۔

"اس عرصے میں ہمارے پاس متعدد فتوے موصول ہو چکے ہیں جن میں علمائے ہند کا ایک فتویٰ ہے جس پر انتالیس علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ علمائے فرنگی محل، علمائے دہلی، علمائے مدرسہ الٰہیات کان پور کے فتوے بھی موصول ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا فتویٰ بھی پہنچا ہے۔ یہ سب فتوے عدمِ تعاون کے حق میں ہیں۔ میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ شریف کو لکھا تھا، لیکن ان کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا ۔۔۔ عدمِ تعاون کے خلاف جو فتوے مجھے موصول ہوئے ان میں ایک فتویٰ تو حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج کا ہے، دوسرا فتویٰ مولانا اصغر علی روحی کا ہے جس میں انھوں نے عدمِ تعاون کی تو تائید کی ہے۔ لیکن سکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی اپنا انتظام نہ ہو جائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں"۔[۵۳]

جمعیت علمائے ہند نے دہلی میں اپنا اجلاس منعقد کیا اور عدمِ تعاون کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا کہ "قومی اوقاف، قومی کالجوں اور سکولوں کے ایسے کارپرداز جنھوں نے ترکِ موالات اور عدمِ تعاون سے انکار کر کے پابندیِ مذہب سے انحراف کیا ہے، مسلمانوں سے علیحدہ رہنے والے اور دشمنوں کی طرف دوستی کا ہاتھ

---

۵۲ روزنامہ پیسہ اخبار ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء ص ۱ کالم ۲

۵۳ روزنامہ زمیندار ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۳ کالم ۱

بڑھانے کے مجرم ہیں۔ اس لیے جب تک وہ اپنے طرزِ عمل سے تائب نہ ہوں مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت سے سروکار نہ رکھنا چاہیے۔ اس طرح طلبا اپنے سرپرستوں سے اور اساتذہ اپنے سکولوں یا کالجوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں گے"۲۲ھ

ان متضاد فتووں اور قراردادوں کی بارش ہر سمت سے کالج پر ہو رہی تھی۔ کالج میں مکمل ہڑتال تھی۔ کالج ہال اور دیگر کمروں پر ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ترکِ موالات کے حامی طلبا کا قبضہ تھا۔ کالج کا وجود خطرے میں تھا۔ چنانچہ طویل غور و خوض، بحث و تکرار اور ہر دو فریق کے علما اور زعما کی موافق و مخالف تقاریر کے بعد مندرجہ ذیل قرارداد منظوری کے لیے انجمن کی جنرل کونسل میں پیش ہوئی۔

ا۔ گورنمنٹ سے تیس ہزار روپے سالانہ کی امداد، جو کالج کو ملتی ہے، نہ لی جائے۔ قوم اس بوجھ کو خود برداشت کرے۔

ب۔ اگر کالج کے طلبا کی غالب اکثریت خواہش ظاہر کرے کہ وہ موجودہ نظام تعلیم سے مطمئن نہیں تو کالج کا تعلق جامعہ پنجاب سے توڑ لیا جائے۔۲۳ھ

اس اثنا میں کالج کمیٹی کے متعدد اجلاس منعقد ہو چکے تھے اور وہ کالج کو بچانے کی مفید تجاویز پر غور و فکر کے بعد بعض فیصلے کر چکی تھی۔ ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء بروز اتوار شام چار بجے صدر انجمن نواب ذوالفقار علی کی رہائش "زرافشاں" واقع کوئنز روڈ لاہور (یہ عمارت اب سر گنگا رام ٹرسٹ کی ملکیت ہے اور ہسپتال کی توسیع کے لیے وقف ہے) میں جنرل کونسل کا اجلاس ہوا۔ سینتالیس ممبران کونسل حاضر تھے۔ معززین شہر بھی خاصی تعداد میں موجود تھے۔ اس اجلاس میں کالج کمیٹی منعقدہ ۱۶، ۱۷ اکتوبر ۱۹۲۰ء اور ۱۷، ۲۵ اور ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء کی قراردادوں میں سے صرف پرنسپل ہنری مارٹن اور مولوی حاکم علی صاحب کے متعلق قراردادوں پر فیصلہ ہوا۔ ہنری مارٹن پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور کا استعفیٰ ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء سے منظور کر لیا گیا۔ کیوں کہ ان کو ۱۲ دسمبر ۱۹۲۰ء کو اسلامیہ کالج پشاور کا پرنسپل مقرر کیا جا چکا تھا۔ انجمن نے ان کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ وہ تقریباً دس سال تک پرنسپل رہے اور کالج کی بے مثال خدمات انجام دیں۔

مولوی حاکم علی بی۔ اے کے متعلق فیصلہ ہوا کہ ان کی ملازمت کالج میں بڑی طویل ہے اور انجمن نے ان سے سرکاری ملازمت چھڑوا کر انھیں اپنے کالج میں نوکر رکھا تھا، اب صرف ایک فتوے کی وجہ سے ان کو کالج سے الگ

۲۲ھ روزنامہ پیسہ اخبار ۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء ص ۲

۲۳ھ ایضاً ۲۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء، ص ۲ کالم ۳

نہیں کیا جا سکتا۔ ان کو سردست معطل کر کے بذریعہ کالج کمیٹی جواب طلبی کی جائے کہ انھیں کیوں موقوف نہ کیا جائے[۲۴]
اور یہ تجویز باتفاق رائے منظور ہوئی کہ ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ء کو کالج کھول دیا جائے مگر ڈاکٹر کچلو نے اعتراض کیا کہ جب تک آپ کالج کی یونیورسٹی سے علیحدگی اور سرکاری مدد سے انکار نہ کریں گے، میں ۱۱ دسمبر (۱۹۲۰) کو کالج میں ضرور آؤں گا اور بہت سی مسلمان پبلک میرے ہمراہ ہو گی اور ہم کوشش کریں گے کہ کالج نہ کھلے۔"[۲۵]

یہ اجلاس اسی طرح کی بحث و تکرار کے بعد ختم ہوا تو ۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ کو انجمن حمایت اسلام کے جنرل سیکرٹری علامہ اقبال نے ڈاکٹر سیف الدین کچلو کو مندرجہ ذیل خط لکھا:

لاہور ۱۰ دسمبر (۱۹۲۰)

ڈیر ڈاکٹر کچلو! السلام علیکم

بعض ممبران کونسل انجمن کی طرف سے ریکوازیشن (مطالبہ) مجھے اس وقت شفاعت اللہ صاحب سے موصول ہوگئی ہے۔ اب انشاء اللہ مسئلہ الحاق کونسل کے سامنے پھر پیش ہو جائے گا اور اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انجمن اپنے فیصلہ میں علما سے استصواب کرے۔ جہاں تک ممکن ہوگا جلد کونسل کا اجلاس منعقد کر کے یہ ریکوازیشن (مطالبہ) پیش کی جائے گی۔ تا فیصلہ میری رائے میں کالج کھول دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اس سے اتفاق ہوگا۔ موجودہ حالات میں غالباً یہ سب سے بہتر طریق عمل ہے۔ مہربانی کر کے اپنی رائے سے مطلع فرما کر مجھے ممنون فرمایئے۔

والسلام۔ مخلص

محمد اقبال

ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے علامہ اقبال کے خط کا مندرجہ ذیل جواب ارسال کیا۔

۱۰ دسمبر ۱۹۲۰ء

آپ کا خط مورخہ ۱۰ دسمبر موصول ہوا۔ مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ مسئلہ الحاق کونسل کے سامنے پھر پیش کرنے والے ہیں۔ آپ اس بات کا وعدہ فرماتے ہیں کہ کونسل کا اجلاس جلد منعقد کیا جائے گا اور انجمن اپنے فیصلہ میں علما سے بھی استصواب کرے گی۔ اب چونکہ بموجب آپ کے خط کے انجمن بموجب احکام شرعی اس امر کا

۲۴۔ قلمی روداد جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ — ۴ دسمبر ۱۹۲۱ اور روزنامہ پیسہ اخبار ۷ دسمبر ۱۹۲۰ اور ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء کالم

۲۵۔ روزنامہ پیسہ اخبار ۷ دسمبر ۱۹۲۰ ص ۲ کالم ۲

فیصلہ کرے گی اور مجھے بعض ممبرانِ انجمن سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کے دل میں ایمان داری کے ساتھ چند شکوک مذہبی امور کے متعلق ہیں اور وہ ایسی حالت میں وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ان کے شکوک رفع ہوگئے تو وہ بھی مذہب و قوم کا ساتھ دیں گے۔ ان حالات میں گو میری قطعی رائے ہے کہ فتویٰ جمعیت العلما ناطق ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا ہر مسلمان کا مذہبی فرض ہے۔ لیکن میں آپ کے اس وعدے پر اعتماد کرتا ہوں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ممبرانِ انجمن کو ایک موقع دینے کے لیے تیار ہوں اور امید کرتا ہوں کہ وہ بہت جلد اپنے مذہبی شکوک رفع کرکے احکام الٰہی کے مطابق آخری فیصلہ کر دیں گے اور قوم اور ملک کو مزید پریشانی سے بچائیں گے۔

سیف الدین کچلو[۷۶]

اس خط کے ساتھ ڈاکٹر کچلو نے کالج سے اپنا قبضہ ختم کر دیا۔ اس طرح یہ نازک اور اہم دور انجام کو پہنچا اور کالج علامہ اقبال کی ذاتی کوششوں سے ۱۱ دسمبر ۱۹۲۰ کو دوبارہ کھل گیا[۷۷]

مولانا احمد رضا خاں سے عقیدت

مولوی حاکم علی صاحب مولانا احمد رضا سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ وہ ان کے علم و فضل سے اس حد تک متاثر تھے کہ ان کو اپنا استاد مانتے تھے۔ مولوی صاحب ان کو "آقائے نامدار" اور "یا سیدی"[۷۸] کے الفاظ سے مخاطب کرتے تھے اور ان سے ملنے کے لیے اکثر بریلی جایا کرتے تھے۔ دونوں کے درمیان باہم خط و کتابت بھی رہتی تھی۔ مولانا احمد رضا خاں نے مولوی صاحب کو "مجاہد اکبر"[۷۹] کا خطاب دے رکھا تھا۔ علمی، مذہبی اور سائنسی مسائل کے متعلق بذریعہ مراسلت ان سے تبادلہ خیال کرتے تھے۔ مولانا احمد رضا کی دو مستقل تصانیف درحقیقت مولوی صاحب کے دو سوالات کے جوابات پر مبنی ہیں، جو مولوی صاحب نے مختلف موقعوں پر ان کی خدمت میں ارسال کیے تھے۔ ایک نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان (طبع ۱۳۳۹ھ)، دوسری الحجۃ المؤتمنۃ فی آیات الممتحنۃ (طبع ۱۳۳۹ھ)

---

۷۶ زمیندار ۱۲ دسمبر ۱۹۲۰، ص ۳، کالم ۱

۷۷ قلمی روداد جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام ۱۵ اپریل ۱۹۱۵ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱

۷۸ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان- مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، ص ۲   ۷۹ ایضاً، ص ۶

۱۔ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان : مولوی حاکم علی نے ۱۴ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۹ھ (۱۹۲۰ء) زبان عربی و فارسی ایک خط مولانا موصوف کی خدمت میں ارسال کیا۔ اس میں حرکت زمین کی تائید میں ں قرآنی آیات کی تفسیر جلالین اور تفسیر حسینی سے چند عبارات پیش کیں، اس کے علاوہ سائنس کی ںں کے حوالے بھی دیے اور درخواست کی کہ وہ حرکت زمین کے قائل ہو جائیں۔ وہ حرکت زمین کے قائل تھے اور نہ ہوئے۔ مولانا احمد رضا نے بعنوان مذکورہ بالا ۳۲ صفحات پر مشتمل ایک رسالہ قلم بند کیا جس میں حرکت زمین پر اپنے دلائل پیش کرتے ہوئے مذکورہ بالا دو تفسیروں کے علاوہ ۲۸ دیگر تفسیروں سے حوالے ے، اور مولوی حاکم علی کے دلائل کو ... قرار دیا، نیز ... سائنس دانوں نیوٹن، آئن سٹائن اور البرٹ ایف پورٹا ندید تنقید کی۔ وہ لکھتے ہیں کہ اہل یورپ کو اثبات دعویٰ کی تمیز نہیں ہے۔ مولوی صاحب نے ان اپنے خط کے اختتام پر التجا کی تھی: "غریب نواز! کرم فرما کر میرے ساتھ متفق ہو جاؤ تو پھر انشاء اللہ یز سائنس کو اور سائنس دانوں کو مسلمان کیا ہوا (پائیں گے)"[١٣٠]

مولانا احمد رضا نے مولوی صاحب کی اس التجا کے جواب میں تحریر کیا :

"محب فقیر! سائنس یوں مسلمان نہ ہوگی کہ اسلامی مسائل کو آیات و نصوص میں تاویلات دور از کار ے سائنس کے مطابق کر لیا جائے۔ یوں تو معاذ اللہ اسلام نے سائنس قبول کی، نہ کہ سائنس نے اسلام۔ سلمان ہوگی تو یوں کہ جتنے اسلامی مسائل سے اسے اختلاف ہے سب میں مسئلہ اسلامی کو روشن کیا جائے۔ تل سائنس کو مردود و پامال کر دیا جائے۔ جا بجا سائنس ہی کے اقوال سے مسئلہ اسلامی کا اثبات ہو۔ نس کا ابطال و اسکات ہو۔ یوں قابو میں آئے گی، اور یہ آپ جیسے فہیم سائنس دانوں کو باذنہ تعالیٰ ۔وار نہیں"[١٣١]

مفتی تقدس[١٣٢] علی خاں بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانۂ طالب علمی میں دیکھا ہے کہ جب بھی مولوی حاکم علی ۔لی آیا کرتے تھے تو مولوی صاحب اور مولانا احمد رضا خان مختلف سائنسی آلات کو کنویں میں معلق کر کے

١٣٠ھ نزول آیات فرقان بسکون زمین و آسمان، مطبوعہ نوری کتب خانہ لاہور، ص ۵ ١٣١ھ ایضاً، ص ۳۱

١٣٢ھ مفتی تقدس علی خان، شیخ الجامعہ قادریہ، پیر جوگوٹھ۔ آپ مولانا احمد رضا خان کے ہم جد اور شاگرد ہیں اور ان کے بڑے بیٹے مولانا حامد رضا خان بریلوی (م ۱۹۴۲ء) کے داماد ہیں۔

حرکت زمین یا رد حرکت زمین کے متعلق تجربات کیا کرتے تھے اور اس مسئلے پر مفصل و مدلل بحث ہوا کرتی تھی[۵۳۳]
اگرچہ اس وقت اس بحث و دلائل کی مجھے سمجھ نہیں آتی تھی پھر بھی میں بغور اس دلچسپ کھیل کو دیکھا کرتا تھا۔

۲۔ المحجۃ الموتمنہ فی آیتہ الممتحنہ : اس کتاب کی تصنیف کا سبب بھی مولوی صاحب کا ایک سوال ہے جو انھوں نے مولانا احمد رضا کی خدمت میں ۲۵ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو ارسال کیا تھا۔ آپ لکھتے ہیں : "اللہ تعالی نے ہمیں کافروں اور یہود و نصاریٰ کے ساتھ تولّی سے منع فرمایا ہے۔ مگر ابوالکلام زبردستی تولی کے معنی معاملت اور ترک موالات کو ترک معاملت "نان کوآپریشن" قرار دیتے ہیں۔ ...... (انھوں) نے ۲۰ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کی کمیٹی میں تشریف لاکر اطلاق کر دیا کہ جب تک اسلامیہ کالج لاہور کی سرکاری امداد بند نہ کی جائے اور یونیورسٹی سے اس کا قطع الحاق نہ کیا جائے تب تک انگریزوں سے ترک موالات نہیں ہوسکتی اور اسلامیہ کالج کے لڑکوں کو فتویٰ دے دیا کہ اگر ایسا نہ ہو تو کالج چھوڑ دو، لہٰذا اس طرح سے کالج میں بے چینی پھیلا دی کہ پھر پڑھائی کا سخت نقصان ہونا شروع ہو گیا۔"

مولوی صاحب کے اس خط کے جواب میں مولانا احمد رضا نے مذکورہ بالا عنوان کے تحت ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ایک کتاب تحریر کی جس میں اس بحث کو قرآن و حدیث کی روشنی میں بیان کیا۔ اس زمانے میں مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا محمد علی جوہر، مولانا ظفر علی خاں، مولانا شوکت علی، ملک لعل خاں اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو تحریک ترک موالات کو کامیاب بنانے کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی اور اسلامیہ کالج لاہور کا دورہ کر رہے تھے۔ مگر مولوی حاکم علی مسلمانوں کی تعلیمی اور اقتصادی پسماندگی کے پیش نظر مسلمان طلبا کو اس تحریک کا سپاہی بننے سے روک رہے تھے۔

---

۵۳۳ از افادات حکیم محمد موسیٰ صاحب امرتسری، ریلوے روڈ، لاہور